© rasailojaraid.com

مسئلہِ زبان اور ہندوستان

(شرعی نقطہِ نظر سے)

جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مالک الملک نے اپنی وسیع قدرت اور محکم صنعت سے انسانی زندگی کی ہر حقیقۃ و معنویۃ کے مقابلہ میں جس طرح عام بدنی حرکات (یعنی اعمال) وضع فرمائے ہیں جن سے پوشیدہ حقائق کی حسی صورتیں نمایاں ہوتی ہیں اسی طرح ان کی ترجمانی کے لئے لسانی حرکات (یعنی اقوال) بھی رکھے ہیں جن سے ان کی علمی صورتیں قائم ہو کر انھیں دائمی اور متعدی بنا دیتی ہیں۔ گویا روح کو کیفیات کا حامل بنایا، بدن کو اعمال کا اور زبان کو اظہار و بیان کا۔ پس روح کی کیفیات جب ظہور کے لئے بیتاب ہوتی ہیں تو میدانِ عمل میں آجاتی ہیں اور جب متعدی ہونے کے لئے تڑپتی ہیں تو لغت اور زبان پر جلوہ افروز ہوتی ہیں۔ اور اس طرح یہ کیفیات و اعمال جو شخصی اور ذاتی ہوتے ہیں لغت کے ذریعہ ہمہ گیر اور وسعت پذیر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ لغت یا زبان زندگی کا کوئی جزوی شعبہ نہیں بلکہ پوری زندگی کا ایک متوازی پہلو ہے یعنی انسان کی پوری زندگی ایک دفعہ کیفیاتی ہے جو باطنِ محض ہے پھر وہی پوری زندگی عملی ہے جو ظاہرِ محض ہے اور پھر وہی ساری زندگی قولی بھی ہے جو اس ظاہر و باطن کو شائع اور ہمہ گیر کر دیتی ہے۔ اس لئے لغت انسان کی پوری زندگی پر اس طرح حاوی اور شامل ہے کہ اُسے زندگی کا پہلو نہیں بلکہ خود ایک مستقل زندگی کہا جا سکتا ہے۔

عہدِ الست کا اقرار اس حسی حقیقت کو شرعی رنگ میں دیکھنا ہو تو عہدِ الست پر ایک گہری نظر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذرا غور کر دیکھیے کہ حق تعالیٰ نے یوم الست یعنی انسانی ازل میں آدمؑ اور ان کی ساری ذریت کو اپنے سامنے کھڑا کیا اور اپنے جمالِ جہاں آرا کی کوئی جھلک عیاناً ان کے سامنے بے نقاب کر کے ان کی ارواح میں عشق و محبت کی کیفیات پیوست کر دیں جیسا کہ اس موضع قرب میں صیغۂ خطاب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اور حدیث کے لفظ عیاناً اور بین یدیہ سے مواجہہ اور مشافہ کا اندازہ ہوتا ہے ارشادِ ربانی ہے۔

واذ اخذ ربك من بنی آدم	اور جبکہ آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے انکی
من ظهورهم ذريتهم و	اولاد کو نکالا اور اُن سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا
اشهدهم على انفسهم الست	میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں
بربكم قالوا بلى شهدنا۔	نہیں! ہم گواہ بنتے ہیں۔

ادھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اخذ الله الميثاق من ظهر آدم	اللہ نے اقرار لیا آدمؑ کی پشت سے (اولاد نکال کر)
بنعمان یعنی عرفة فاخرج من	وادیٔ نعمان یعنی میدان عرفات میں پس ان کی کمر سے
صلبه كل ذرية ذرأها فنثرهم	ساری وہ اولاد نکال لی جسے پیدا کیا تھا پھر انہیں اپنے
بين يديه كالذر ثم	سامنے پھیلایا پھر اُن سے کلام کیا ان کے سامنے کہا کہ
كلمهم قبلا الست بربكم	کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں
قالوا بلى شهدنا۔	نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔

اس مواجہت سے انسانوں کی اندرونی کیفیاتی زندگی قائم ہوئی وہ اللہ کے جمال کے بھی شیدائی ہو گئے اور بقدر مواجہہ باہم بھی ایک دوسرے کی نسبت عشق و محبت کے جذبات قائم ہو گئے پھر حق تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا ان سے اقرار لیا جس سے قلوب کے اعتقادات اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بصورت عقد ان کے مستحکم کیے جانے کی بنیاد پڑی یہ انسان کی باطنی زندگی کا آغاز تھا۔

پھر جبکہ حضرت ابوالبشر کو دنیا میں بھیجا جانے لگا تو اُن پر عملی زندگی بھی لازم کی گئی جس کا پروانہ اتباع ہدیٰ کے عنوان سے انھیں دیدیا گیا۔ جس سے عملی زندگی کی اساس قائم ہوئی۔ ارشاد فرمایا گیا

قلنا اھبطوا منھا جمیعا فاما	ہم نے کہا یہاں سے تم سب اترو پس اگر آئے تمہارے
یاتینکم منی ھدیً فمن	پاس میری جانب سے ہدایت پس جو شخص میری
تبع ھُدٰی فلا خوف علیھم	ہدایت کا پیرو ہوا تو اُس پر نہ کوئی خوف طاری
ولا ھم یحزنون ۵	ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

مگر ابھی تک یہ باطنی اور ظاہری زندگی محض شخصی اور ذاتی تھی جس کے انوار ہر فرد انسان میں بقدر استعداد وظرف الگ الگ تھے کہ نہ ایک کے کیفیاتی مقام کی دوسرے کو اطلاع تھی اور نہ ایک کی کسی اعلیٰ حالت سے دوسرا استفادہ کر سکتا تھا اور اس لئے ان علوم واسرار میں کوئی اجتماعی شان نہ تھی کہ افادہ واستفادہ کا دروازہ کھل سکے۔

انسانی شرف میں لغت کی اہمیت

جب انسانی پوزیشن اور منصبی حیثیت یعنی عہدۂ نیابت وخلافتِ الٰہی دیئے جانیکا وقت آیا جس کا مقصد انسانوں کی اجتماعیت، باہمی تعاون وتناصر اور افادہ و استفادہ تھا تو اس کے لئے یہ ابتک کی کیفیاتی اور عملی زندگی کافی نہیں سمجھی گئی (ورنہ ملائکہ جو کیفیاتِ باطن اور عباداتِ ظاہر میں انسان سے آگے تھے خلیفۂ الٰہی بنا دیئے جاتے) بلکہ اس لغۃ وزبان اور قول وافادہ کی زندگی کو سامنے لایا گیا جو اُن باطنی کیفیات اور حسّی اعمال کی ترجمانی کر سکے اور ایک کے کمالات سے دوسروں کے لئے منتفع ہونے کا موقع بہم پہونچائے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو سب سے پہلا علم لغۃ اور اسماء وخواص ہی کا دیا گیا اور ایسی امتیازی شان کے ساتھ کہ فرشتے بھی امتحانِ مقابلہ میں پیچھے رہ گئے اور اپنے عجز کو نہ چھپا سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وعلم ادم الاسماء کلھا ثم	اور آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں
عرضھم علی الملائکۃ فقال	کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ
انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم	اگر تم اپنے قول میں سچے ہو۔ فرشتوں نے کہا ہم
صٰدقین۔ قالوا سبحانک	تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ ہمیں اس سے زیادہ
لاعلم لنا الا ما علمتنا انک	کچھ علم نہیں جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے۔ بلاشبہ تو
انت العلیم الحکیم۔ قال یا	جاننے والا حکمت والا ہے۔ (پھر آدمؑ سے) کہا
ادم انبئھم باسماء ھم فلما	اے آدمؑ تو ان چیزوں کے نام بتا۔ پس جب آدمؑ
انباءھم باسماءھم قال	نے اُن کے نام بتا دیئے (اللہ نے) کہا (اے فرشتو)
الم اقل لکم انی اعلم	کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ بلاشبہ میں آسمانوں
غیب السمٰوات والارض	اور زمین کے غیب کا دانا ہوں اور جو تم چھپاتے
واعلم ما تبدون وما کنتم	اور جو ظاہر کرتے ہو اُن سب کا جاننے والا
تکتمون۔	ہوں۔

اس سے صاف نمایاں ہے کہ حکومت و خلافت کا مسئلہ چھڑتے ہی سرکاری زبان کا مسئلہ اس سے پہلے طے کیا گیا۔ کہ کوئی حکومت اپنے لٹریچر میں زبان کے بغیر ہمہ گیری پیدا نہیں کر سکتی۔

بہرحال انسانی ازل میں یہ تینوں مقامات کیفیتِ باطن، عملِ ظاہر اور قولِ لسان یعنی لغۃ انسان کو ودیعت کئے گئے اور ساتھ ہی طرزِ تفویض سے یہ بھی نمایاں کر دیا گیا کہ خلافتِ الٰہی کا معیار کیفیت و عمل نہیں بلکہ علم ہے جس کے بروئے کار لانے کا سب سے بڑا ذریعہ لغۃ اور زبان ہے اور اس لئے حکومت و سلطنت کی بنیادیں زیادہ تر زبان ہی کے افادہ اور استفادہ پر ٹھہر سکتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان اور قومیت | یہی وجہ ہے کہ اقوام کی زندگی میں لغۃ اور زبان کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے کہ قوموں کی قومیت حکومتوں کی تنفیذ و وسعت اور ممالک کے مختلف تمدنوں کی ترویج و اشاعت بہت حد تک ان کے لُغتہ کے پھیلاؤ پر موقوف ہے اسی لئے ہر قوم نے اپنی زبان کو اپنی قومیت کا زبردست شعار سمجھا ہے اور اس کے قائم رکھنے بلکہ پھیلانے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

آج تنازع للبقاء کے میدان میں زبان کا مسئلہ بقاءِ قومیت کا سب سے اہم رکن شمار کیا جارہا ہے۔ ہندوستان کا ہندو ہندی کی ترویج کے لئے، عیسائی انگلش کے لئے، ایرانی فارسی کیلئے افغانی پشتو کے لئے، حجازی عربی کیلئے۔ ان میں سے ہر ایک قوم سمجھ چکی ہے کہ اس کی قومی روایات اس کا مخصوص تمدن و معاشرت اور بالفاظِ مختصر قومیت کا تحفظ صرف ان کی زبان کے بقاء و تحفظ میں مضمر ہے۔

کیا اُن کا یہ سمجھنا غلط ہے؟ نہیں۔ بلکہ یہ ایک مشاہدہ اور حسّی حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم کسی دوسری قوم کو اپنے میں مدغم کرنا اور بالفاظ دیگر اُسے فنا کرنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے وہ اس قوم میں اپنا لغتہ رائج کرنے پر پورا زور صرف کرتی ہے جس کا قدرتی نتیجہ چند دن بعد خود بخود یہ نکل آتا ہے کہ اس لغتہ کا اثر متأثر قوم کے اخلاق، عادات، روایات اور مذہب و معاشرت پر پڑ جاتا ہے۔ پھر یا وہ کلیتہً موثر قوم میں مدغم ہو کر اسی کے اخلاق و عادات قبول کر لیتی ہے یا کم از کم اپنی مخصوص قومیت اور شعائر سے بیگانہ ہو کر ایک مخلوط قومیت پیدا کر لیتی ہے۔ بہر دو صورت خود اس قوم کی اصل بنیاد منہدم ہو کر اس کی اپنی قومیت فنا ہو جاتی ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ عادۃً کسی قوم کی زبان پر عموم کے ساتھ عبور کرنا اور اس کے محاورات اور طریق ادا یا طرز تکلم کو سیکھنا بغیر اہلِ زبان کے اختلاط کے ممکن نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس اختلاط و ارتباط کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باعث اُن کے عام افعال واقوال سے وہ بعد باقی نہیں رہ سکتا جو اب تک تھا بلکہ ایک گونہ توانست باہمی اور ان کے ہر کردار و گفتار سے قرب و رضا کی کیفیات پیدا ہو کر اُس قوم کی عام معاشرت کے ساتھ خود بخود شرکت پیدا ہو جاتی ہے پس زبان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ معلمین کی ہمہ وقت معیت و مجاورت ان کی مخصوص قومی روایات سے قرب اور اپنی قومی روایات سے بُعد پیدا کر دیتی ہے جو انجام کار اس متعلم قوم کو اسی معلم قوم میں مدغم کر دیتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کن الفاظ میں اس حقیقت کو یوں ارشاد فرمایا ہے۔

من کثر سواد قوم فهو منهم ومن رضی عمل قوم کان شریک من عمله۔	جو شخص کسی قوم میں گھسکر (مثلاً بواسطہ لغت) اسکی جمعیت میں اضافہ کرے وہ اسی قوم میں سے ہوجائیگا اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہوگیا (مثلاً اردو میں ہندی کی اختلاط اور غلبہ سے) وہ اسی قوم کے عمل کا شریک سمجھا جائے گا۔ ؎
(کنز العمال جلد ۵ ص۶ بحوالہ دیلمی)	

دوسری جگہ مزید تفصیل کے ساتھ ارشاد ہے۔

اذا رضی الرجل عمل الرجل و هدیه وسمته فانه مثله (کنز العمال ج۵)	جب کوئی شخص کسی شخص کے کام سے یا اسکی کسی خصلت اور عادۃ سے راضی ہوگیا تو وہ بھی اسی جیسا ہے۔

زبان اور قومی روایات کا تعلق پس جبکہ محض رضائے کار سے شریکِ کار ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہے تو جہاں حقیقتاً عملی شرکت بھی کیجائے تو وہاں بالاولیٰ شرکتِ عمل کا حکم لگایا جائے گا۔ پھر عادت اور تجربہ شاہد ہے کہ ہر ایک قوم کی زبان اور اس کا لٹریچر صرف اسی کے تہذیب و تمدن کی ترجمانی کرتا ہے کہ وہ زبان ان ہی اشیاء کی ترجمانی کے لئے منصۂ ظہور پر آتی ہے جو اس قوم میں مرزوبوم کی خصوصیات مذہبی روایات اور اُس قوم کی مخصوص ذہنیت کے ماتحت رائج ہوتی ہیں۔ گویا ہر ایک قوم اپنی زبان کے ذریعہ اپنے ہی

؎ ہمارے نزدیک حدیث کی یہ توجیہ محلِ نظر اور تفصیل طلب ہے۔ ۲۲ (برہان)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احوال و کیفیات کا اظہار کرتی ہے نہ کہ دوسری اقوام کے حالات کا۔ مثلاً اہلِ دیہات اپنے دیہاتی بول چال میں شہری حالات کی ترجمانی نہیں کریں گے بلکہ وہی اپنے بدوی مقامات ظاہر کریں گے۔ ان کے محاورات ضرب الامثال اور عام تشبیہات و استعارات کھیت کے ڈولوں مویشیوں اور گھانس پھونس وغیرہ سے آگے نہیں گذر سکتے کہ ان کی زبان انہی کے حالات کی ترجمانی کے لئے ہے اور وہ حالات بداوت ہی سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ حضارت و شہریت سے۔

اسی طرح ایک متمدن اور شہری قوم کا لٹریچر اپنے محاورات و تعبیرات کے لحاظ سے گھانس پھونس وغیرہ کے بجائے انجن، مشین، ریل، تار، سر بفلک عمارات اور عام تمدنی ترقیات کا آئینہ دار ہوگا گویا وہ تمام مادی ترقیات جو اُن کے عمل نے سطح زمین پر مجسم کی ہیں ان کی زبان اور لغتہ اُنہی کی ترجمانی کریگی جو چیز ان کی قومیت کے دائرہ میں موجود ہی نہیں اسکی ترجمانی اس لٹریچر میں کیسے ہوسکتی ہے؟

پھر اسی طرح جس قوم کے حالات و کیفیات میں مادیت کے بجائے مثلاً روحانیت کا غلبہ ہو۔ تدین اخلاص اور وابستگیٔ حق اس پر چھایا ہوا ہو تو اس کے لغتہ و محاورہ کہاوتوں اور مثلوں تشبیہوں اور استعاروں میں بھی اُنہی امور کی عام ترجمانی ہوگی۔ زبان کا ہر ہر جملہ حقائقِ مذہب، معارفِ الٰہیہ، اخلاقِ ربانی اور اسماءِ خداوندی سے لبریز ہوگا۔ اور اس زبان کا بولنا ایسا ہوگا گویا ایک مذہبی وعظ ہو رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کوئی قبیلہ یا قوم اہل دیہات کے محاورات کا گرویدہ ہو کر انھیں حاصل کرے تو زبان کے ذریعہ درحقیقت وہ دیہی زندگی اور بداوۃ کے حالات حاصل کر رہا ہے یا کسی متمدن قوم کا لٹریچر حاصل کرلے تو لغتہ کے واسطہ سے وہ اس کی تمدنی روایات حاصل کر رہا ہے اور کسی مذہبی قوم کی زبان سیکھے تو وہ فی الحقیقت اس کے مذہبی خیالات سیکھ رہا ہے کہ وہ زبان ان حالات و خیالات ہی کی ترجمان اور انہی کیفیات کا دوسرا رُخ ہے۔

بہر حال جبکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ کسی قوم کے لغتہ پر عبور کرنا حقیقتاً اُس قوم کی تہذیب و تمدن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مذہب و معاشرت پر علماً و خیالاً عبور کر جاتا ہے تو ساتھ ہی اس پر بھی غور کر لینا چاہئے کہ جبکہ ہر تہذیب و تمدن میں کچھ نہ کچھ جزئیات دلفریب اور دلکش بھی ہوتی ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ ان کے مقابلہ میں اپنی تہذیب و معاشرت کی مخصوص جزئیات سے بُعد یا کم از کم ان کی بے وقعتی یا اور بھی کچھ نہیں تو ان کی موزونیت کے بارہ میں کچھ نہ کچھ شکوک و شبہات اور اعتراضات نہ پیدا ہو جائیں ظاہر ہے کہ ذہنیت کی اس طبعی رفتار کے ماتحت جتنا جتنا کسی قوم کی زبان اور لٹریچر کا مطالعہ وسیع ہوتا جائیگا اسی حد تک اس کی تہذیب و تمدن سے موانست اور اپنی تہذیب و تمدن سے بیزاری اور بے رخی بڑھتی جائے گی اور اس کا آخری نتیجہ قدرتی طور پر یہی ہو سکتا ہے کہ انسان کی جدت پسند ذہنیت کے ماتحت یہ متعلم قوم ہمیشہ کے لئے اپنی قدیم مخصوص قومیت کا سرمایہ چھوڑ کر معلم قوم کی دریوزہ گر ہو جائے اور پھر اسی کی قومیت کا ایک پرزہ بنکر گھومنے لگے۔

انگریزی زبان کا اثر

کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی زبان کے راستہ سے جب اس کا مخصوص تمدن و معاشرت آیا جس کی وہ ترجمان تھی تو مفتوح قوم کیا محض زبان دانی ہی کی حد پر ٹھری رہی یا اس سے متجاوز ہو کر اپنا تمام سرمایہ تہذیب و تمدن اور مذہب و معاشرت چھوڑ کر اسی جدید زبان کے تمدن کا آلۂ کار بن گئی۔ اور مشرقی خو بو ان سے اس طرح مٹ گئی گویا وہ کبھی تھی ہی نہیں۔ کیا ہندوستانیوں کی ماہیتوں میں یہ انقلاب کسی مغربی عقائد نامہ کے ذریعہ کرایا گیا؟ کبھی انھیں صاف لفظوں میں اس کی تلقین کی گئی کہ تمہاری قومیت یا مذہب قابل ستائش نہیں اُسے ترک کر دو؟ یا ان سے کبھی یہ فرمائش کی گئی کہ تم مشرقی اشراقیت کو خیر باد کہکر مغرب کا سیاہ رنگ قبول کر لو۔؟ نہیں! بلکہ مغربی تمدن کا یہ تمامتر سرمایہ اس کی زبان اور لغتہ میں محفوظ تھا لغتہ نے اس کی ترجمانی شروع کی، زباندانی کے سلسلہ میں قلوب نے اوّلاً خیال کا اثر لیا پھر جب زبان و قلم نے اس کے چرچے شروع کئے تو قلوب نے مزید رسوخ کا اثر لیکر اُس کے ساتھ شغف قائم کر لیا۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب یہ لٹریچر زبان و قلم کے واسطہ سے دل و دماغ پر چھا گیا تو جوارح نے اسے عملاً قبول کرلیا اور پُرانا لباس اُتر کر جب نیا لباس زیب تن ہوگیا تو کیسے ممکن تھا کہ پرانے لباس کی وہی قدر و منزلت باقی رہتی جو کبھی تھی؟ نتیجہ یہ ہوا کہ لغتِ جدید نے تہذیبِ قدیم کو مطعون اور تہذیب جدید پر مفتون کردیا اور مشرقی قوم اپنے دل و دماغ کے اعتبار سے خالص مغربی قوم بن گئی گو اپنی زبان سے وہ دعویٰ مشرقی ہونیکا کرتی رہی۔ پس حالتِ موجودہ یہ ہے کہ قلوب میں عظمت تو مغربیت کی ہے اور زبانوں پر نام مشرقیت کا ہے۔ دل مغرب کا گھائل ہے اور زبان مشرقیت کی طرف مائل ہے۔ گویا قوم مغرب کے حق میں تو مخلص ہے اور مشرق کے حق میں منافق۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جب تک کوئی زبان کلیتہً مفتوح ہوکر اپنی نہ ہوجائے وہ اپنی ابتدائی ترویج میں نفاق ہی کے جراثیم پیدا کرتی ہے۔

فارسی زبان اور مسلمان

یہی وجہ ہے کہ فتح ایران سے قبل جب تک کہ فارسی زبان خود اپنی ایرانی روایات اور تہذیب و معاشرت کی ترجمان تھی اور اسلامی تہذیب کے لئے اس کی تعبیرات بیگانہ ہی نہیں بلکہ تضاد کا حکم رکھتی تھیں مسلمانوں کو اس کی عمومی تعلیم کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ اس حالت میں کہ فارسی محاورات و تعبیرات نہ اسلامی حقائق کے مُعبّر تھے نہ اُس خو بو کے ترجمان تھے جو اسلام نے عربوں میں پیدا کی تھی۔ فارسی لغة کا عربوں میں عام رواج فی الحقیقت فارسیتہ اور فارسی معاشرت کا رواج ہوتا جس سے نہ وہ عربیتہ ہی کے رہتے اور نہ فارسیتہ ہی کے ہوتے۔ یعنی کچھ ادھر مائل اور کچھ اُدھر کے گھائل بنجاتے اور ان میں وہی دو رُخی کے جراثیم پیدا ہو جاتے جکو نفاق کہتے ہیں۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ

من یحسن ان یتکلم بالعربیۃ فلا	جو عربی اچھی طرح بول سکتا ہے وہ عجمی
یتکلم بالعجمیۃ فانھا تورث النفاق	(فارسی) میں نہ بولے کیونکہ وہ نفاق
(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ)۔	پیدا کرتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی اسوہ کے ماتحت مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ

ایاکم ورطانۃ الاعاجم وقال — عجمیوں کی بک بک سے بچو اور فرمایا کہ

انہا خبّ (اقتضاء) — وہ دھوکہ ہے۔

پس حضورؐ نے اس وقت کی فارسیۃ کو نفاق اور فاروقِ اعظمؓ نے دھوکہ بتلا کر اس اصول کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ جب تک زبان پر کسی قوم کا قبضہ نہ ہو جائے اور اس کی مخصوص روایات اس میں دخیل ہو کر اس کا غالب عنصر نہ بن جائیں اس کی عام تعلیم یا اُسے عام طور پر قبول کرنا دھوکہ، نفاق اور دورُخی پیدا کرتا ہے جس سے انسان نہ پوری طرح اپنا ہی رہتا ہے نہ غیر ہی کا ہوتا ہے اور انسانی دائرہ میں یہ ایک انتہائی ذلیل اور ناپاک حالت ہے۔

ہاں جب فتح ایران کے بعد فارسی زبان بھی فتح ہو گئی اور مسلمانوں کے غلبۂ شوکت کے ماتحت یہ زبان اسلامی محاورات، اسلامی علوم، اسلامی معاشرت اور مسلمانوں کی عام اسلامی ذہنیۃ سے مالا مال ہو گئی گویا فارسیۃ و مجوسیۃ کے بجائے وہ اسلامیۃ اور عربیۃ کی ترجمان ہو گئی تو وہ فی الحقیقت کوئی غیر زبان ہی نہ رہی بلکہ اپنی ہو گئی اور اس لئے اُسے نہ صرف قبول ہی کر لیا گیا بلکہ اس کے بقاء کو عربیۃ کا بقاء اور اس کے تحفظ کو اسلامیت کا تحفظ سمجھا جانے لگا۔

یہ جداگانہ بات ہے کہ غلبہ اور فتحیابی سے پیشتر کسی اسلامی ضرورت سے غیر زبان کو خصوصی طور پر سیکھا جائے مثلاً اسلامی تبلیغ یا غیر ممالک سے سیاسی غیر سیاسی تعلقات قائم کرنے کے لئے اگر مسلمانوں کے مخصوص افراد کسی غیر زبان کو سیکھیں تو یہ صورت حال ہمارے مذکورہ دلائل سے ممنوع نہیں ہے کیونکہ ایک بضرورت کسی زبان کو خصوصی طور پر استعمال کرنا ہے اور ایک عمومی ترویج سے اپنا شعار بنا لینا ہے۔ پہلی صورت میں غیر زبان خود اپنے تمدن و تہذیب کی اشاعت و ترویج کیلئے آلۂ کار بنتی ہے اور دوسری صورت میں وہ اپنی مخصوص روایات کے مٹانے کا واسطہ ثابت ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر زبانوں کی تعلیم کے متعلق آنحضرتؐ کا ارشادِ گرامی

آج یورپین ممالک کے لوگ جن جن مشرقی ممالک پر اپنا اثر و اقتدار قائم کئے ہوئے ہیں ان کی زبانوں کو بھی سیکھتے ہیں لیکن اپنا شعار بنانے کیلئے نہیں۔ بلکہ خود اپنے شعائر کو رائج کرنے کے سلسلہ میں غیروں کے تمدن و معاشرت سے باخبر ہونے کیلئے بس اس طرح کے مصالح کے ماتحت غیر زبانوں کی خصوصی تعلیم کو شریعت اسلام بھی ممنوع قرار نہیں دیتی بلکہ اُس کے جواز کا عملی اسوہ اس میں موجود ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اقوام سے عبرانی زبان میں مراسلت کرنے کیلئے یہود کو ترجمان بنایا لیکن جب نوشت و خواند میں ان کی خیانت ثابت ہوئی تو آپ نے مخصوص صحابہؓ کو عبرانی سیکھنے پر مامور فرمایا اور حضرت زید بن ثابت نے سترہ دن میں عبرانی زبان سیکھ کر اس بارہ میں حضورؐ کو یہود سے مستغنی کر دیا۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے حبشی زبان کے بعض کلمات کا تکلم فرما کر حقیقتاً مخصوص حالات میں غیر زبانوں کے خصوصی تکلم کی اجازت دی ہے۔ حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں جبکہ ان کے والد نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی حضورؐ نے ان کو اپنا قمیص مبارک پہنایا اور فرمایا۔

یا ام خالد ھذا سِنَا — اے ام خالد یہ بہت خوشنما ہے (سنا حبشی زبان میں خوبصورت کو کہتے تھے)

یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جبکہ ایک فارسی کے پیٹ میں درد ہوا۔

اشکم بدرد — کیا پیٹ میں درد ہے؟

نتیجہ بہرحال ایک ہے کسی غیر زبان میں کلام کرنا یا خصوصی طور پر مخصوص افراد کو بضرورت اس کی تعلیم دلانا اور ایک ہے اُسے بطور اپنے شعار کے قبول کرنا۔ تو یہ قبولِ عام کا اُس کو شعار بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ زبان مفتوح ہو کر اپنی نہ ہو جائے اور اس کی تعبیرات و محاورات پر عربیت و اسلامیت قبضہ نہ کرلے کیونکہ کسی قوم کی زبان سے اصل مقصود اُن ہی مخصوص حقائق و روایات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خیالات وکیفیات کی ترجمانی کرتا ہے جو اس قوم کے ہیں اور جبکہ غیر مفتوحہ زبانوں کی ترویج سے وہی حقائق پٹتی ہوں جو اپنی زبان کا مقصد وحید تھا تو پھر اس ترویج واختلاط کو کیسے برداشت کیا جا سکیگا۔

غیر اسلامی لغات ومحاورات کی ترویج کی ممانعت

نہیں بلکہ اس معیار کے لحاظ سے شریعت اسلامیہ نے تو یہاں تک احتیاط کی ہے کہ غیر زبان تو بجائے خود اپنی دینی عربی زبان کے بھی وہ کلمات جو غیر مسلم اقوام کے ممتاز کلمات یا مخصوص اصطلاح شمار ہوتے ہوں مسلمان استعمال نہ کریں تاکہ ادھر تو مسلمانوں کے مخصوص محاورات محفوظ رہیں اور اُدھر غیروں کے مخصوص لغات کی ترویج سے مسلمانوں کی زبان اور زبان کے واسطے سے اخلاق وعادات اور خیالات پر بُرا اثر نہ پڑے۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے ہدایت کی کہ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حالت پر توجہ دلانے کے لئے راعنا (ہماری رعایت کیجئے) کا لفظ استعمال نہ کریں کہ یہ یہود کی اصطلاح ہے بلکہ اُنظرنا (ہم پر نگاہ کرم کیجئے) کا کلمہ استعمال کریں۔ خود حضورؐ نے فرمایا کہ نمازِ عشا کو عتمہ مت کہو کہ یہ گنواروں کی اصطلاح ہے بلکہ عشاء کہو جو اسلامی اصطلاح ہے۔ فرمایا کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے پاس کی انگلی کو سبابہ مت کہو یہ اہل جاہلیت کا لغت ہے بلکہ سباحہ کہو کہ یہ اسلامی لغت ہے آپ نے فرمایا کہ تحیۃ کے وقت حُیّیتم صباحًا وغیرہ مت کہو کہ یہ اہل جاہلیت کا تحیۃ ہے بلکہ السّلام علیکم کہو کہ یہ اسلامی تحیۃ ہے۔

ایک فارسی نوجوان صحابی نے غزوۂ احد میں ایک مشرک پر تلوار کا وار کرکے کہا کہ لے یہ میرا ہاتھ دیکھ وانا الغلام الفارسی تو حضورؐ نے فرمایا یوں کیوں نہیں کہتا کہ وانا الغلام الانصاری یعنی اس موقعۂ رجز وشجاعت میں اعلان بھی اسلامی ہی نسبتوں کا ہونا چاہیئے نہ کہ وطنی نسبتوں کا۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دکاندار کو سمسار مت کہو کہ یہ اہل جاہلیۃ کا لغت ہے بلکہ تاجر کہو جو قرآن کا لغت ہے۔[1]

[1] یہ تمام آثار اقتضاء الصراط المستقیم میں منقول ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے اصولاً واضح ہوتا ہے کہ عربی زبان سے بھی محض عربی الفاظ مقصود نہیں بلکہ ایک مخصوص ذہنیت و کیفیت کے ساتھ ایک مخصوص اور مستقل قوم کے حقائق کی ترجمانی مقصود ہے جسکی تعبیرات بھی مخصوص اور اپنی ہی ہوں ورنہ عربی زبان سے خود عربی کے الفاظ ان شرعی ہدایات کی رو سے ہرگز نہ نکالے جاتے۔

اسی سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر یہی اسلامیت و عربیت اور یہی اسلامی محاورات و تعبیرات کسی غیر عربی زبان کا جامہ پہن لیں اور اس سے اس طرح وابستہ ہو جائیں کہ وہ زبان انہی اسلامی حقائق کی ترجمان کہلانے لگے تو چونکہ اصل مقصود ان حقائق کا تحفظ ہے اس لئے اس زبان کا تحفظ بھی ضروری ہو جائے گا۔ کیونکہ خود عربی زبان کا تحفظ بھی انہی حقائق کے تحفظ کی خاطر مطلوب ہے پس جس دلیل سے عربی کی حفاظت ناگزیر ہوگی اسی دلیل سے اس زبان کی حفاظت بھی ایک شرعی فریضہ ہو جائیگا جو عربیت کی حامل اور اس کے حقائق کی ترجمان بن جائے۔

اردو زبان کی اسلامی حیثیت

آج ہندوستان میں اردو کی حیثیت کلیتہً یہی ہے کہ وہ اسلامی محاورات کی امین عربیت کی ترجمان اسلامی علوم و فنون کی حامل اور عام اسلامی ذہنیت کی آئینہ دار ہے اس کی شاعری ہو یا نثر کتب و رسائل ہوں یا مضامین و مقالات پھر ادبی سلسلہ میں غزلیات ہوں یا قصائد حقائق نویسی ہو یا واقعہ نگاری تشبیہات ہوں یا استعارات، ضرب الامثال ہوں یا کہاوتیں یا قصص تاریخ و ایام ہوں یا سنین و شہور، اصطلاحات ہوں یا عنوانات، نعرے ہوں یا رجز، تحیات ہوں یا القاب و خطابات غرض اس زبان کا کوئی بھی شعبہ ہو سب میں اسلامی ذہنیت کی روشنی مذہبیت کا رنگ دینی جذبات کی آمیزش، خداشناسی کی جھلک، اکابرینِ اسلام کی روایات اور پیغمبروں اور اولیاء کی سیرتوں کی چاشنی اس درجہ اس میں رچی ہوئی ہے کہ اس کا ہر گوشہ عام نگاہوں میں اسلامی گوشہ اور اس کا ہر فقرہ اسلام کا فقرہ محسوس ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مسلمان اپنی روزمرہ کی بات چیت اور محاورات میں جو کلمات استعمال کرتا ہے وہ عربیت اور اسلامیت کی اس درجہ آمیزش لئے ہوئے ہوتے ہیں کہ غیر مسلم ان کے استعمال کی کبھی جرأت ہی نہیں کرسکتا مثلاً ابتدائے کار پر بسم اللہ۔ من مانے کام ہوجانے پر الحمد للہ تعجب پر سبحان اللہ۔ قدر افزائی پر ماشاء اللہ، تحاشی وتبری پر معاذ اللہ۔ ندامت پر استغفر اللہ، افسوس پر انا للہ، حلف پر واللہ باللہ، توقع پر انشاء اللہ، بچاؤ پر اللہ اللہ، ندا پر یا اللہ، شکریہ پر جزاک اللہ، اظہارِ عظمت پر لا الہ اللہ، ظہورِ منکر پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ، پیغمبروں کا نام آنے پر صلی اللہ، جوش پر اللہ اکبر وغیرہ اس کی بے تکلف زندگی ہے جبکہ اسی قسم کے اسلامیت شعار اور عربیت نواز محاورے اردو کی روح ہیں تو پھر کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ اُسے اسلامی زبان نہ کہا جائے اور مسلمانوں کی چیز نہ شمار کیا جائے۔

دو مسلمانوں میں ملاقات اور مکالمے کا آغاز ہوتے ہی بے تکلف جو کلمات نکلتے ہیں وہ صرف عربیت واسلامیت ہی کے آئینہ وار ہوتے ہیں مثلاً السلام علیکم، مزاج اقدس یا مزاج شریف، جناب عالی، خیر وعافیت، تشریف ارزانی، ماحضر، تناول، اہلبیت کی صحت، حاضر ہوتا ہوں وغیرہ وغیرہ ان جملوں کا اگر عطر کشید کیا جائے تو اسلامیۃ وعربیۃ کے سوا ان میں سے اور کیا نکل سکتا ہے؟ یہ وہ جملے ہیں جو ملاقات ہوتے ہی گویا ایک سانس میں زبان سے نکلتے ہیں، اس سے دوسری عام بے تکلف گفتگوؤں کا اندازہ کرلیا جائے۔ اور وہ تصانیف یا عبارات یا شاعری جس میں ایک اردو کا مصنف یا شاعر کچھ سوچ بچار سے کام لیکر کلام کرے تو اس کی اسلامی ذہنیت جس عربیت واسلامیت کا مظاہرہ کرے گی وہ اس سے بھی زیادہ ہوگا جو ان جملوں سے اندازہ کرایا گیا ہے۔ غرض عربی زبان جوہر ہے اور اردو زبان وہ آئینہ ہے جس میں اس جوہر کی عکاسی ہورہی ہے تو کیا اس اسلامیۃ کی آئینہ داری کے ہوتے ہوئے اُردو مسلمانوں کے لئے کوئی ناقابل اعتنا زبان رہ جاتی ہے؟ اگر فی الحقیقت اللہ کے ان ناموں اُس کے اُن محاوراتی حقائق ومعارف کی حفاظت کوئی اسلامی فریضہ ہے جن کو اُردو کی تعبیرات نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے دامنوں میں چھپا رکھا ہے تو خود اردو کی حفاظت کیوں اسلامی فریضہ نہیں ہے؟ پھر اردو کی صورت چھوڑ کر اگر اس کے مادہ پر غور کیا جائے تو مسلمانوں نے اپنے مخصوص علمی مذاق کے ماتحت اسلامی علوم اس میں منتقل کئے۔ آج کوئی علم وفن ایسا نہیں جس میں ہزاروں کی تعداد میں اردو کے سفینے موجود نہ ہوں اور عربی سے اردو میں منتقل نہ ہو چکے ہوں۔

پھر ایک علوم قدیمہ ہی نہیں بلکہ علوم جدیدہ اور فنونِ عصریہ کا لامحدود ذخیرہ ہے جسے مسلمانوں نے اردو کی زینت بنا دیا ہے۔ دکن کی دولت ابد مدت نے لاکھوں روپیہ صرف کر کے سائنس، فلسفہ، کیمسٹری، تاریخ، جغرافیہ اور تمام جدید فنون کو دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل کر دیا ہے۔ غرض اردو زبان آج ایک قابل فخر علمی زبان بن گئی ہے جس نے تمام علوم قدیمہ وجدیدہ کو اپنے وسیع دامنوں میں چھپا لیا ہے۔ پس جس طرح اس وقت ہندوستان کی کوئی ایک زبان بھی خواہ وہ ہندی ہو یا سنسکرت اس میدان میں اپنے کو سرخروئی کے ساتھ پیش نہیں کر سکتی کہ اس نے اسقدر علوم وفنون کا ذخیرہ اپنی تعبیرات کے بطون میں پنہاں کر رکھا ہو۔ اسی طرح اس ملک کی کوئی ایک قوم بھی خواہ وہ ہندو ہو یا غیر ہندو اپنے کو پیش نہیں کر سکتی کہ اس نے مسلمانوں کی برابر نہ سہی اس کی آدھی تہائی بھی اس ترقی اردو اور اس کے مادہ وصورت کے بنانے اور سنوارنے میں حصہ لیا ہو۔ چنانچہ اردو کے اسلامی اور مسلمانوں کی زبان ہونے کی ایک سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلم اُسے بحالت موجودہ اپنی نہیں بلکہ مسلمانوں کی زبان سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس کی نوک پلک قطع کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

غور اس پر کیجئے کہ وہ اردو کی فکر میں محض ایک زبان ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہیں کہ وہ اسلامیت اور عربیت کی ترجمان ہے۔ پس وہ نفس اردو کو مٹانا نہیں چاہتے بلکہ اس کی صورت اور اس مخصوص اسلامیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ پس اگر وہ اسلامیت وعربیت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فنا کرنے کی خاطر اردو کی ہیئت تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو کیا اسی اسلامیت کے بقار کی خاطر مسلمانوں کا شرعی فریضہ نہ ہوگا کہ وہ اردو کو اس کی اسی ہیئت کذائی کے ساتھ باقی رکھنے کی ان تھک سعی کریں؟

جبکہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ خود عربی زبان کا بقار و تحفظ بھی اسی اسلامیت کے بقار کے لئے ایک شرعی فریضہ ہے پس علّت کے اشتراک سے حکم بھی مشترک رہیگا۔ اگر عربی زبان کا بقار اسلامیت کی خاطر فرض ہے تو ہندوستان میں اُسی علتہ و حکمتہ کی خاطر اردو کا بقار بھی شرعی فرض ہوگا۔ اگر خدانخواستہ اردو کا یہ اسلامی مغز نکالکر اس کے چھلکے کو باقی رکھا جائے یا اس کے موجودہ شیریں مغز کے بجائے اس میں کسی مردہ زبان کا تلخ مغز بھر دیا جائے تو مسلمان اُسے کیسے برداشت کر سکیں گے کہ ان کے یہاں چھلکے کا تحفظ ہی صرف مغز کی خاطر ہے۔ (باقی)

دارالعلوم دیوبند کا ماہانہ رسالہ

"دارالعلوم"

مدت مدید سے مخلص اور دیندار مسلمان اپنے دینی و علمی مرکز دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ایک علمی و مذہبی رسالہ کے اجراء پر مصر تھے۔ الحمد للہ کہ ان کی یہ آرزو پوری ہوگئی۔ اور بلا واسطہ دارالعلوم کی ملکیت ؟ اکابر علمائے دیوبند کی سرپرستی و نگرانی میں رسالہ "دارالعلوم" جاری ہوگیا۔

رسالہ کے معیار کی بلندی اور اس کی خوبیوں کا اندازہ صرف اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس میں جماعت دیوبند کے جلیل القدر علماء کے بیش قیمت مضامین مسلسل شائع ہوں گے۔

رسالہ دارالعلوم "کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ مسلمان جس صحیح اور قابل اعتماد مذہبی رہنمائی کی امید اپنے مذہبی مرکز دارالعلوم دیوبند سے رکھتے ہیں اُسے صرف یہی رسالہ پورا کر سکتا ہے۔

اس رسالہ کا کوئی تعلق کسی شخص کی ذات سے نہیں بلکہ براہ راست دارالعلوم سے ہے [illegible] مخلص اور دیندار مسلمانوں سے توقع ہے کہ وہ اس رسالہ کے معاونین میں شامل ہونا اپنا ایک ضروری جماعتی فریضہ تصور فرمائیں گے کاغذ وغیرہ کی انتہائی گرانی کے باوجود سالانہ چندہ صرف [illegible] نمونہ مفت طلب فرمائیں۔ [illegible]

[illegible] (عبد الوحید ناظم و مرتب رسالہ دارالعلوم)

© rasailojaraid.com